عمارہ اسلم

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

تنظیم الفردوس

صدر

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

ممتاز مفتی کی ''سمے کا بندھن'' کی لفظیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

ABSTRACT

Analytical study of diction of Mumtaz Mufti's short stories collection "Samey Ka Bandhan

By Ammara Aslam, Research Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Tanzeemul Firdous, Chairperson, Department of Urdu, University of Karachi.

Diction is an important dimension of literary linguistics in which language of a literary work is analysed. Mumtaz Mufti's literary works acquire great importance.Samay Ka Bandhan is his 7th collection of short stories published in 1987. In these short stories, those altered values of east are highlighted especially which are influenced by the west and which have affected the east in a bad manner. As Mufti has presented this cultural chaos in a new writing style, he has also experienced new form of diction. In these short stories, his characters can be heard speaking words of Hindi, English and other local languages. For effective communication Mufti has often crafted new words and idioms and has also given new meanings to old words. In this research paper diction used in "Samay Ka Badhan" has been studied in the same perspective.

لفظ لسانیات کی بنیادی اکائی ہے۔اصطلاح میں با معنی کلمے کو لفظ کہا جاتا ہے۔[۱] لفظیات کی ترکیب لفظ سے نکلی ہے جس کا مطلب ذخیرۂ الفاظ ہے۔[۲] ''لفظیات'' ادبی لسانیات کی ایک شاخ ہے۔[۳] ادبی لسانیات میں ادبی فن پاروں کی زبان پر تحقیق کی جاتی ہے۔اس کی ذیلی شاخ لفظیات میں کسی خاص مصنف کی تمام کتب یا کسی خاص کتاب کی لفظیات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔اس ضمن میں تحقیق کی جاتی ہے کہ اس مصنف نے زیادہ تر کون سے اور کیسے الفاظ اور محاورات استعمال کیے

ہیں اور کیا اس مصنف نے نئے الفاظ، محاورات، تراکیب اور روزمرہ وغیرہ بنائے ہیں۔ اگر بنائے ہیں تو کیوں اور کیسے بنائے ہیں۔ نیز اس کی تحریر میں ملکی وغیر ملکی زبانوں کے الفاظ کے استعمال کے رجحان کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔[۴] اگر اس نے دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کیے ہوں تو دیکھا جاتا ہے کہ یہ الفاظ کیسے استعمال کیے ہیں یعنی انھیں اسی طرح استعمال کیا ہے جس طرح وہ اس زبان میں استعمال ہوتے ہیں یا مصنف نے انھیں اس زبان کے لب و لہجے سے ہم آہنگ کیا ہے۔[۵] اسی طرح اگر اس مصنف نے مروجہ اور متروک الفاظ ومحاورات کو نئے معنوں میں استعمال کیا ہو تو اس کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے۔ اور ان کے معنی بھی بتائے جاتے ہیں۔[۶] اسی طرح مصنف کے خود ساختہ الفاظ ومحاورات کے معنی بھی بتائے جاتے ہیں۔ گویا اس قسم کی تحقیق کا تعلق کسی حد تک لغت نویسی سے بھی ہے۔ اور اس تحقیق کی بدولت متعلقہ زبان کی لغت میں توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس مصنف کی تصانیف کو بھی بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی تحقیق عام طور پر ان ادیبوں اور شاعروں پر کی جاتی ہے جنھوں نے اردو زبان و ادب کو نئے لفظوں، محاوروں اور تراکیب وغیرہ سے روشناس کروایا ہو۔ ہمارے بہت سے کلاسیکی شاعروں، ادیبوں اور بزرگانِ دین کی کتب میں یہ خصوصیات بکثرت ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''اردو زبان تشکیلی دور سے ارتقاء کی اعلیٰ منزلوں تک ادیبوں اور شاعروں کی مرہونِ منت رہی ہے۔''[۷] ان ادباء اور شعرا کی زبان پر کسی حد تک لسانی تحقیق ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے لیکن جدید ادباء میں بہت کم ادیبوں کے ہاں لفظ سازی اور الفاظ کی معنوی توسیع کا رجحان نظر آتا ہے۔ جدید دور کے ان ادیبوں میں ایک بہت اہم اور نمایاں ادیب ممتاز مفتی ہیں۔

ممتاز مفتی اردو ادب کے مایا ناز ادیب ہیں۔انھوں نے تقریباً تمام جدید اصنافِ نثر میں اپنے فن کے جوہر دکھائے اور انفرادی مقام ومرتبہ بھی حاصل کیا۔ افسانہ نگاری کی روایت میں نہ صرف وسعت پیدا کی بلکہ نئے موضوعات اور اسالیب سے بھی متعارف کروایا۔ انھوں نے آٹھ افسانوی مجموعے تخلیق کیے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کے افسانوں کے بنیادی موضوعات نفسیات، جنس اور روحانیت ہیں۔ ان کی باقی اصناف کی طرح افسانہ نگاری کے بھی دو دور ہیں۔[۸] پہلے دور کا بنیادی موضوع نفسیات اور دوسرے دور کے بنیادی موضوعات نئی نسل، نئی نسل کے سماجی اور نفسیاتی مسائل اور خصوصاً مغربی کلچر کے اثرات کی بدولت پیدا ہونے والے مشرقی لوگوں کے نفسیاتی مسائل اور روحانیت ہیں۔ جہاں تک ممتاز مفتی کے اسلوبِ بیان کا تعلق ہے۔ انھوں نے اپنے موضوعات کے بیان کے لیے جو انداز اور زبان اختیار کی، وہ نہ تو ہماری مروجہ تحریر کی زبان ہے اور نہ اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہے۔ بلکہ یہ عام بول چال کی زبان، ملکی اور غیر ملکی زبانوں کے الفاظ اور مفتی کے خود ساختہ الفاظ ومحاورات کا ایسا خوبصورت مرکب ہے جس کی مثال اردو ادب میں نظر نہیں آتی۔ اس زبان میں پھیلنے اور جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہے۔''[۹] اپنی زبان کے حوالے سے ممتاز مفتی نے کہا تھا کہ ''مجھے اردو زبان نہیں آتی۔ یہ بات میرے لیے بیک وقت بہت بڑی بدقسمتی اور خوش قسمتی ہے۔ اگر آپ کو اردو زبان آتی ہے تو آپ اپنے خیالات کا اظہار بندھے ٹکے محاوروں میں بیان کر دیتے ہیں۔ بندھے ٹکے محاورے آپ کے خیالات کو پورے طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ آپ کی تحریر

میں شگفتگی نہیں آئے گی، باسی پن ہوگا۔آپ کی تحریر مشکل ہو جائے گی۔اور سادگی اور روانی نہیں رہے گی۔ زبان نہ آنے کی صورت میں نئے انداز تلاش کرو گے۔جس سے حسن کی دریافت ہوگی اور نئی بات بھی پیدا ہوگی۔''(۱۰)

چوں کہ مفتی میں حد درجہ انکساری تھی اس لیے اردو کا اتنا بڑا ادیب ہونے کے باوجود وہ سمجھتے تھے کہ انھیں اردو نہیں آتی اس لیے انھوں نے نئی بات کرنے، نیا خیال پیش کرنے، نئے ذہنی، معاشرتی، روحانی اور جذباتی مسائل بیان کرنے اور ان مسائل کے نتیجے میں نئی جذباتی اور ذہنی کیفیات بیان کرنے کے لیے نہ صرف ملکی وغیر ملکی زبانوں کے الفاظ استعمال کیے بلکہ خود بھی نئے الفاظ، مرکبات اور محاورات بنائے اور یوں اردو ادب میں ایک نیا اندازِ تحریر متعارف کروایا بلکہ اردو ادب میں ایک نئے دبستان کی داغ بیل ڈالی۔بقول روبینہ رفیق ''اسلوب کے لحاظ سے مفتی کی حیثیت ایک دبستان کی ہے۔''(۱۱)

''سمے کا بندھن'' ایک تعارف

ممتاز مفتی اردو کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں سے ہیں۔ سمے کا بندھن ان کے دوسرے دور کا افسانوی مجموعہ ہے۔یہ ان کا ساتواں افسانوی مجموعہ ہے۔یہ پہلی بار ۱۹۸۷ میں شائع ہوا۔اس میں زیادہ تر افسانے ۱۹۸۳ سے ۱۹۸۵ کے درمیانی عرصے میں لکھے گئے۔(۱۲) یہ ۱۹ افسانوں پر مشتمل ہے۔اس افسانوی مجموعے کے موضوعات کے حوالے سے روبینہ رفیق لکھتی ہیں کہ:

> ہندی متھ، مصنوعی کلچر، مادیت سے محبت اور روح سے دوری ان افسانوں کا بنیادی موضوع ہے۔(۱۳)

پہلے دور کے افسانوں کے برعکس ان افسانوں میں گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔(۱۴) کیوں کہ اس دور میں مفتی کے سامنے معیار ہے۔ روایت اور ثقافت کا وژن ہے۔''(۱۵) اور وہ اس دور میں نفسیات دانوں میں فرائیڈ کی بجائے یونگ سے متاثر ہیں۔(۱۶) جو اجتماعی لاشعور کی بات کرتا ہے۔مفتی کا ذاتی زندگی میں بھی تصوف کی طرف رجحان ہو چکا تھا اس لیے اس افسانوی مجموعے کے زیادہ تر افسانوں میں مشرق کی بدلتی ہوئی ایسی قدروں اور تہذیب وتمدن کو موضوع بنایا ہے جن کا رشتہ ہماری زمین سے نہیں ہے بلکہ وہ مغرب سے آئی ہیں۔اس لیے منفی تبدیلی لائی ہیں جس کی وجہ سے نئی نسل مختلف قسم کے سماجی اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہو گئی ہے۔مفتی نے اس افسانوی مجموعے میں انھیں سماجی ونفسیاتی مسائل، اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات کو موضوع بنایا ہے جو بے جا مغرب پسندی اور مغربی کلچر کی تقلید کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان کا حل بھی بتایا ہے جو روحانیت میں مضمر ہے۔

مفتی نے ان نئے مسائل کو پیش کرنے کے لیے جو دورِ جدید کی دین ہیں کے لیے جہاں تکنیک کے نئے نئے تجربے کیے ہیں وہاں انھوں نے زبان و بیان کے بھی نئے تجربے کیے ہیں۔کہیں انھوں نے کردار نگاری کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہندی، انگریزی اور علاقائی زبانوں کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو کہیں انھوں نے اپنی بات سمجھانے کے لیے نئے

استعارے اور تشبیہات وضع کی ہیں اور کہیں کامل ابلاغ کے لیے نئے لفظ اور محاورے بنائے ہیں اور کہیں پرانے لفظوں کو نئے معانی دیئے ہیں۔

سمے کا بندھن: لفظیاتی تجزیہ

مفرد الفاظ

مفرد الفاظ میں سے کچھ الفاظ اردو اور دوسری زبانوں کے الفاظ کو ملا کر یا ان میں کچھ تبدیلی کر کے بنائے گئے ہیں مثلاً ''گرین ما'' گرین اور ما کو ملا کر بنایا گیا ہے۔''گرین'' انگریزی میں انتہائی حفیف مقدار کو کہتے ہیں اور ''ما'' ماں کا مخفف ہے۔گرین ما کا مطلب ایسی ماں جسے صرف کہنے کی حد تک ماں کہا جائے لیکن اس سے رویہ ملا زموں والا رکھا جائے۔''لنگھانا'' پنجابی لفظ لنگانا (پار کروانا) سے بنایا ہے۔اسی طرح ہندی لفظ تورنت سے ترت اور

پنجابی لفظ پھرتی سے پھرت بنا کر ''ترت پھرت'' بنایا ہے۔یہ ہندی اور پنجابی کے جن لفظوں کو ملا کر بنایا گیا ہے ان کا ہم معنی ہے لیکن اس لفظ سے معنی میں شدت پیدا ہوگئی ہے۔تورنت کے معنی جلدی اور پھرتی کے معنی تیزی کے ہیں۔مفتی نے ایسا شخص جو بہت زیادہ تیز ہو کے لیے ''ترت پھرت'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔مفتی نے کچھ لفظوں میں ایسی تبدیلی کی ہے جس سے ان لفظوں کے ساتھ امدادی افعال، حروف اور اسم وغیرہ کے استعمال کی ضرورت نہیں رہی، مثلاً پر چار سے پر چاریے (پر چار کرنے والا) بنایا ہے اور حوالے کرنا کے لیے حوالگی کا لفظ بنایا ہے۔چمٹنے [چپکنا] کی صلاحیت ہونے کے لیے ''چمٹن'' بنایا ہے۔رنگوں میں ڈوبے ہوئے کپڑے پہننے اور بھڑکیلا بناؤ سنگھار کرنے والی کے لیے رنگ رنگیلی بنایا ہے اور شوشا (انوکھی بات) سے شوشے (انوکھی بات کرنے والے) بنایا ہے۔

انھوں نے کچھ بالکل نئے لفظ بنائے ہیں جیسے چتڑی چتڑی ہونا (بکھر جانا)، طور بطورا جانا (اچانک شدید جسمانی تکلیف میں مبتلا ہونا)، ٹھوٹھا (پیالہ، انسان کا ظاہر) چٹ کپڑی (سفید کپڑے پہننے اور بناؤ سنگھار کرنے والی عورت جسے دیکھ کر معلوم نہ ہو کے اس نے بناؤ سنگھار کیا ہوا ہے)، گھنگھورا (اس انداز سے دیکھنا کہ دوسرا متوجہ اور آپ کا گرویدہ ہو جائے) اور للاری (رنگ ساز) وغیرہ۔

اس کتاب میں نئے الفاظ بنانے کی نسبت متروک الفاظ کا استعمال اور متروک اور مروجہ الفاظ کو نئے معنی دینے کا رجحان بہت زیادہ ہے۔انھوں نے کھونڈ، تھل تھل، پلپلی، چقماق، وسے، ہوونا، ہونکن، کھاونا، آونا اور جاونا جیسے متروک الفاظ استعمال کیے ہیں۔اور کہیں متروک الفاظ کو نئے معنی دیے ہیں مثلاً ''شین'' عیب دار کے معنی میں استعمال ہوتا تھا مفتی نے اسے خوش نما کے معنی میں استعمال کیا ہے۔''گھوری'' میلا اور گندا کے معنی میں استعمال ہوتا تھا مفتی نے اسے ماتھے کی سلوٹوں کے لیے استعمال کیا ہے۔اسی طرح ''پوچ'' گندا یا برا کے معنی میں استعمال ہوتا تھا مفتی نے اسے نسل کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

متروک الفاظ کی طرح بہت سے مروجہ الفاظ کو بھی انھوں نئے معنی دیے ہیں، مثلاً مارنا (بہ معنی کرنا)، چلنا (بہ معنی

ہلنا اور کامیاب ہونا)، چھلکانا (بہ معنی ڈالنا)، ہونکن (بہ معنی انجن کی آواز) انگڑائی (بہ معنی پیدا ہونا اور جاگنا)، جمانا (بہ معنی ڈالنا) اور گویا (بہ معنی بے بس) کے استعمال کیا ہے اور کہیں کہیں مروجہ الفاظ میں صوری اور صوتی تبدیلی بھی کی ہے تاہم یہ رجحان خاصہ کم ہے۔ چند مثالیں دیکھیے۔گھومنے سے ''گھومن''، بہانے بہانے سے ''آنے بہانے''، الٹ پلٹ سے ''التھ پلتھ''، اور اردگرد سے ''گرد'' بنائے ہیں۔

مفتی کے ان خود ساختہ الفاظ سے بیان میں شوخی، شگفتگی اور ندرت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ قاری کو چونکانے کا سا انداز بھی پیدا ہو گیا ہے۔ان الفاظ سے نہ صرف قاری لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ یہ قاری کو توجہ سے مطالعہ کرنے کی طرف بھی مائل کرتے ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

''آج تو بلیک اور یلو کمبینیشن مارا ہے۔'' (تھرڈ مین، ص ۱۸۲)

''کوئی گلیڈ آئی جما کر پھنساتا ہے۔'' (تھرڈ مین، ص ۱۷۹)

''ان میں غلام علی بھی تھا اونچا لمبا شیں جوان۔'' (دیوی، ص ۴۷)

''پر جا پہیے سمان ہوتی ہے وہ گھومن میں پڑی رہتی ہے۔'' (گرداس۔داس گرو، ص ۱۰۲)

''کپڑے تو رنگ میں یوں ڈوبے ہوتے ہیں جیسے للاری کی دکان ہو۔'' (چٹ کپڑی، ص ۲۹)

کہیں کہیں ایک ہی جملے میں ایک ہی لفظ کو مختلف معنوں میں استعمال کرنے سے عبارت میں ردھم پیدا ہو گیا ہے۔ جیسے:

> ''روکو گے تو ان کے دل چلیں گے، نسیں چلیں گی، پاوں چلیں گے، وچار چلیں گے۔'' (گرداس۔داس گرو، ص ۱۰۵)

اس جملے میں چلنا کو چار مختلف معنوں (دھڑکنا، بجنا، ہلنا، آنا) میں استعمال کیا ہے۔

مفتی نے اپنے بعض خود ساختہ الفاظ میں (استعارہ نہ ہوتے ہوئے بھی) معنوی لحاظ سے ایسی گنجائش رکھی ہے کہ قاری اپنے مشاہدے، تجربے اور خصوصاً لاشعور کے لحاظ سے ان کے معنی خود متعین کرتا ہے۔ مثلاً

> ''جو بھی اس کی کھڑکی کی زد میں آتا ہے، اسے ایک جھونٹا ضرور دیتی ہے۔'' (تھرڈ مین، ص ۱۷۷)

> ''راہ چلتے کوئی بانکا اچھا لگے تو ایسی چھلکی چھلکی بھرپور نگاہ ڈالتی ہوں کہ اس کا سارا کلف اتر جاتا ہے گویا ہو کر گر پڑتا ہے۔'' (رکاوٹ، ص ۱۲۶)

> ''اس کے ساتھ آٹھ دس حواری بھی تھے سب کے سب شوشے۔'' (مانا نمانہ، ص ۶۷)

> ''بس بت بن کر اسے دیکھتا رہتا ہے۔ اسے بلاتا نہیں، گھنگھورا نہیں مارتا کہ ادھر

دیکھے۔'' (دیوی، ص ۴۷)

ان جملوں میں جھونٹا، گویا، شوشے اور گھنگھورا ایسے الفاظ ہیں جن کے معنی قاری خود متعین کرتا ہے۔

مفتی نے زیادہ تر خود ساختہ الفاظ ماحول، اشیاء اور افراد کی ایسی ظاہری حالت کی عکاسی کے لیے استعمال کیے ہیں جو ان کی باطنی حالت اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کی آئینہ دار ہے یا اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔انھوں نے اس کتاب کے کئی افسانوں میں یہ تکنیک اپنائی ہے کہ کرداروں کے ذہن اور جذبات کی براہِ راست عکاسی کی بجائے ماحول، اشیاء اور افراد کی ایسی عکاسی کی جائے کہ وہ کرداروں کے باطن کی عکاس بن جائے مثلاً ''چکٹ گاڑی، ہونکتا ہوٹر اور موم بتی'' میں چکٹ گاڑی یعنی (خراب حال، میلی گاڑی) اس میں سوار ہونے والے مزدوروں کی بدحالی کی عکاس ہے اور ہونکتا ہوٹر یعنی ہوٹر کا تھک کر ہونکنا مزدوروں کے ہونکنے کی طرف اشارہ ہے۔اسی طرح ''کس لیے کیا اس لیے'' میں ''طور بطورا جانا'' جسم کی انتہائی تکلیف دہ اور جان لیوا کیفیت کے لیے استعمال ہوا ہے جو اس ذہنی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس وجہ سے جسم تکلیف میں مبتلا ہوا۔اسی طرح ''پاؤں چلنا'' یعنی ہلنا اشارہ ہے اس ذہنی کشمکش کی طرف جس کے نتیجے میں پاؤں چلتا ہے۔اور چٹ کپڑی (ایسا بناؤ سنگھار کرنے والی جسے دیکھ کر معلوم نہ ہو کہ بناؤ سنگھار کیا گیا ہے) عورت کی نفسیات کی طرف اشارہ ہے جو مردوں کو لبھانے کے لیے ایسے جتن کرتی ہے جس سے مردوں کو پتا نہیں چلتا کہ یہ ہمیں متوجہ کرنے کے لیے کچھ کرتی ہے۔

مرکبات

مرکبات دو یا دو سے زائد الفاظ سے مل کر بنتے ہیں۔(۱۷) یہ الفاظ حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

اس کتاب میں عام مرکبات تو کافی تعداد میں بنائے گئے ہیں لیکن ایسے مرکبات جو خاص معنویت لیے ہوئے ہوں کم بنائے گئے ہیں۔تاہم کچھ مرکبات ایسے ہیں جو کرداروں کی نفسیات، رویوں اور رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں جیسے لنڈا مارکر، لنڈا مین، لنڈے کا ذہن، ڈونگی چپ، لوبھ چکر، بیڈ ڈیوٹی، بھاماجھا، آلو چھیلنے والی لڑکیاں، نمازیں پڑھنے والی لڑکیاں، سکہ بند بڑا اور جلتی بجھتی منافقت کی بتیاں خاص معنویت لیے ہوئے ہیں اور ان سے بیان میں اختصار اور جامعیت کی صفت پیدا ہوگئی ہے۔مفتی نے بعض مروجہ مرکبات کی ترتیب الٹ دی ہے جس سے بیان میں چونکا دینے کا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ جیسے بھاگ دوڑ کی بجائے دوڑ بھاگ، ٹھنڈی گرم کی بجائے گرم ٹھنڈی اور پیچ و خم کی بجائے خم و پیچ کا استعمال نہ صرف قاری کو چونکا دیتا ہے بلکہ اس کے ہونٹوں پر تبسم بھی لاتا ہے۔

محاورات

محاورہ دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا ایسا مجموعہ ہے جس کے حقیقی کی بجائے مجازی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہوتا ہے۔(۱۸)

مفتی نے اس افسانوی مجموعے میں کثرت سے محاورات کا استعمال کیا ہے۔ انھوں نے سینکڑوں کی تعداد میں محاورات لکھے ہیں۔بعض اوقات ایک ہی جملے میں بہت سے محاورات استعمال کیے ہیں ان میں کثیر تعداد مروجہ محاورات کی ہے۔ انھوں نے پاپڑ بیلنا، جان چھڑکنا، گرد ہونا، سر نیچا ہونا،لگن لگنا، دل مچلنا، دل ٹھنڈا کرنا، قدموں میں ڈالنا، آنکھیں ابلنا، آنکھوں سے شعلے نکلنااور آنکھیں بھر آنا جیسے محاورات کا استعمال کیا ہے۔ان کے استعمال سے بیان میں وضاحت اور قطعیت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ عبارت کی روانی میں اضافہ ہوا ہے۔ چند مثالیں درج ہیں:

''ہائے ودان کو نیچن رہنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔'' (دیوی،ص۱۷)

''بس بت بن کر اسے دیکھتا رہتا ہے۔'' (دیوی،ص ۷۴)

''چلو جو دل ادھر جانے کو مچلا ہوا ہے تو ٹھیک ہے۔'' (سیڑھی سرکار،ص ۱۵۹)

''کوئی یاد دلائے تو مسکرا دیتے ہیں اور زیرِ لب بوڑھی گھوڑی لال لگام کہہ کر دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔'' (ماڈ ہاؤس،ص ۱۵۳)

''دنیا میں سبھی ادلتی بدلتیوں پر جان چھڑکتے ہیں۔'' (دوموہی،ص ۱۱۳)

''کھل کر بات کرنا، بھرے منہ سے کہہ دینا، لاگ لپٹ نہیں، ہیرا پھیری نہیں، رکھ رکھاؤ نہیں، سپاٹ بات کہہ دینا۔'' (دیوی،ص ۷۰)

اس افسانوی مجموعے میں خود ساختہ محاورات بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ زیادہ تر انسانی رویوں کو بیان کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ چونکہ مفتی کرداروں کو نئے زاویے (یعنی نفسیات) سے دیکھتے اور دکھاتے تھے اس لیے انھیں ان کے رویوں کو بیان کرنے کے لیے نئے محاورات بنانے کی ضرورت پڑی۔ان کے استعمال سے کامل ابلاغ ہونے کے ساتھ ساتھ بیان میں ندرت، شگفتگی اور حسن بھی پیدا ہوا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

''جو نگاہوں پر اچھلتی ہیں وہ منہ کے بل گرتی ہیں۔'' (سمے کا بندھن،ص ۹)

''جب لال لگام کسی ہو اس وقت نہیں سنتی۔'' (کمرہ نمبر ۱۷،ص ۱۵۰)

''بھید اچھلتا ضرور تھا پر ہونٹوں پر نہیں آتا تھا۔'' (ایک ہاتھ کی تالی،ص ۴۷)

''چار چھے بار ایسے پیار سے ڈارلنگ کہتی کہ ڈیڈی کی پھٹکڑی پھل ہو کر رہ جاتی۔'' (ماڈ ہاؤس،ص ۱۵۵)

''کالج میں تو صرف تیز تھی یہاں دور مار بھی تھی۔'' (تھرڈ مین،ص ۱۷۷)

''تیرا کام دیکھنا نہیں دکھنا ہے تو نظر نہ بن منظر بن اور جو دیکھے بھی تو دکھنے کا گھونگھٹ نکال۔اس کی اوٹ سے دیکھ۔'' (سمے کا بندھن،ص ۷)

اصطلاحات

''اصطلاح سے مراد ہے وہ لفظ جو اپنے اصل معنی کی بجائے کسی خاص علم یا فن کے دائرے میں مخصوص معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس علم یا فن سے تعلق رکھنے والے لوگ ان معنوں پر اتفاق رکھتے ہیں۔''(۱۹)

مفتی نے اپنے ان افسانوں میں نفسیات اور موسیقی کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔نفسیات تو شروع سے مفتی کا غالب رجحان رہا ہے اس لیے وہ اپنے کرداروں میں بعض نفسیاتی بیماریاں اور ان کی علامات دیکھتے ہیں اور ان کی تحلیلِ نفسی بھی کرتے ہیں اور اس حوالے سے اپنے افسانوں میں نفسیاتی بیماریوں اور ان کی علامات کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔مثلاً خوف، آبسیشن وہم اور ڈیلوژن وغیرہ۔

مفتی کو موسیقی سے بھی خاص لگاؤ تھا انھوں نے اس کی غیر رسمی تعلیم بھی حاصل کی تھی اس لیے وہ کبھی کردار نگاری کے لیے،کبھی جذبات نگاری کے لیے، کبھی ماحول کی عکاسی کے لیے اور کبھی انسانوں کی فطرت بتانے کے لیے ان اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''روپہ سرہی سرتھی شدھ سر۔''(سے کا بندھن،ص۹)

''انا کی شوراشوری کی تانیں کچھ اور چڑھ جاتیں۔''(اندھا فٹ پاتھیا،ص ۱۴۱)

''گمگ ابھر کر سمرت کے سینے میں گونجتی۔''(ایمان۔اپ مین اپ،ص ۱۶۶)

''سانورد کی بے خبری دیکھ کر سارنگی اونچی سروں میں بین کرنے لگی۔''(ایمان۔اپ مین اپ،ص۱۶۶)

''لے بڑھتی رہی۔تال بلمپت سے درت ہوگئی۔''(رکاوٹ،ص ۱۲۸/ ۱۲۹)

''دونوں پڑے دھاگے ترکت ناگے بجنے لگے۔''(کس لیے؟ کیا اس لیے؟،ص ۱۳۰)

''جوڑی نے توڑا مار کر سینا پیٹ لیا۔''(ایمان۔اپ مین اپ،ص ۱۶۶)

ضرب الامثال

ضرب المثل یعنی کہاوت قدما کے طویل تجربات و مشاہدات کا نچوڑ، وہ دانش مندانہ قول ہے جس میں کسی کی ذہانت نے زورِ بیان پیدا کیا ہو اور جسے قبولِ عام نے روزمرہ زندگی کا کلیہ بنا دیا ہو۔(۱۹)

اس افسانوی مجموعے میں جا بجا برمحل ضرب الامثال کا استعمال کیا گیا ہے۔یہ بات میں وزن اور قطعیت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ بیان کو خوبصورت بھی بناتی ہیں۔یہ ضرب الامثال تین قسم کی ہیں۔پہلی قسم ایسی ضرب الامثال کی ہے جو اردو میں مروج ہیں۔مثلاً:

''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔''(اندھا فٹ پاتھیا،ص ۱۴۴)

''جس کا کام اسی کو ساجھے۔'' (تھرڈ مین، ص ۱۸۲)

''جھولی میں گرا انگور کون چھوڑتا ہے۔'' (تھرڈ مین، ص ۱۸۴)

زیادہ تر اسی قسم کی ضرب الامثال استعمال کی گئی ہیں۔

دوسری قسم ایسی ضرب الامثال کی ہے جو دوسری زبانوں سے اردو میں آئی ہیں۔ مثلاً:

''ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ [بھی] چوکھا آئے۔'' (تھرڈ مین، ص ۱۸۵) (پنجابی سے اردو میں آئی ہے)

''آگ سے بچنے کے لیے بھاگے چولہے میں آگرے۔'' (پنجابی سے آئی ہے)

''بڑھیا بڑھیا تیرا کبڑا دور ہو جائے یا ساری دنیا کبڑی ہو جائے۔'' (دو مونہی، ص ۱۱۰) (پنجابی سے آئی ہے)

''پیٹرسن ادھر بین بجا رہا ہے چوہے ادھر پھرک رہے ہیں۔'' (اندھا فٹ پاتھیا، ص ۱۴۴) (انگریزی سے آئی ہے)

تیسری قسم مفتی کے کہے ہوئے ان جملوں کی ہے جو ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیوں کہ ان میں آفاقی سچائی بھی ہے اور کہنے کے انداز میں بھی ایسی قطعیت ہے جو ضرب المثل میں ہوتی ہے۔ مثلاً:

''بات وہ جو بھیتر کی ہو۔'' (سمے کا بندھن، ص ۸)

''جو نگاہوں پر اچھل جاتی ہیں وہ منہ کے بل گرتی ہیں۔'' (سمے کا بندھن، ص ۹)

''جیسا سمے ویسا ٹھوٹھا۔'' (گرداس۔ داس گرو، ص ۱۰۸)

''ڈھونڈ اندھی ہوتی ہے۔'' (گرداس۔ داس گرو، ص ۱۰۸)

''صرف وہی دیکھ سکتا ہے جو جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا وہ دیکھے تو راستے سے بھٹک جاتا ہے۔'' (ایمان۔ اپ مین اپ، ص ۱۶۹)

''دیوتاؤں کے بھید جانے بغیر تم دیکھ نہیں سکتے۔'' (ایمان۔ اپ مین اپ، ص ۱۷۱)

مفتی کے یہ اور ایسے بہت سے جملے ضرب المثل کی خوبی رکھتے ہیں۔

علامتی انداز دینے کے لیے لفظ اور محاورہ سازی

جس دور میں مفتی نے یہ افسانے لکھے تھے اس دور میں کچھ موضوعات پر نہ صرف بات کرنا معیوب تھا بلکہ انھیں اپنی تحریر خصوصاً افسانوں کا موضوع بنانا سنگین جرم تصور کیا جاتا تھا۔ اسی لیے بعض افسانہ نگاروں پر مقدمے بھی چلے۔ حالاں کہ انھوں نے ان افسانوں میں صرف چند نفسیاتی، جنسی اور معاشرتی حقائق کی طرف اشارہ کیا تھا، کھلم کھلا ان مسائل کو بیان

نہیں کیا تھا۔لیکن ممتاز مفتی نے نہ صرف ان موضوعات پر تفصیل سے لکھا بلکہ ان اشیاء، اعمال اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں تفصیل سے لکھا لیکن شدید قسم کے اعتراضات سے بچ گئے۔کیوں کہ انھوں نے ان اشیاء، اعمال، مسائل اور ان کے تدارک کے لیے اپنائے جانے والے طریقوں کے لیے نئے الفاظ، مرکبات اور محاورات بنائے اور مروجہ الفاظ کو نئے معنی دیے۔اس لیے اس موضوع پر لکھتے ہوئے ان افسانوں میں علامت نہ ہوتے ہوئے بھی علامتی انداز در آیا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

''انگ انگ میں ایک پھلجھڑی چلتی ہے۔ پھر ایک ہوائی زوں سے چھوٹ جاتی ہے اور پھر رنگین بادلوں سے دھڑام سے زمین پر آ گرتی ہے۔'' (رکاوٹ، ص ۱۲۷)

''گونگا ارد جذبات کے کوڑوں سے استادہ ہونے پر مجبور کر دیا جاتا۔ اس کا پایۂ ستون زنجیروں سے جکڑ کر بلویا جاتا... کوئی تیرہ وتاد ھنکی رت کا بند بند دھنکتی تھی، کوئی پراسرار ضرب پڑتی جس کی لرزش اسے گود میں لے کر جھلاتی۔ اتنا جھلاتی کہ جھولن عذاب کی شکل اختیار کر لیتی۔ پھر کوئی خفیہ آتش فشاں زور سے پھٹتا۔لاوے کا دریا بہنے لگتا۔جس کے کنارے ارد اور رت لہولہان پڑے سسکتے رہتے۔''

(ایمان۔اپ مین اپ، ص ۱۷۰)

''ارد درد سے بلبلا کر اٹھتا۔ ایک چست بھری لیکن اس میں اچھل پیدا نہ ہوسکی اور منہ کے بل گر گیا۔۔۔تم نے شو سے پہلے پری کاشن لیے تھے؟۔۔۔سٹیج پر پہنچ کر منیجر نے زخمی ارد کو جھنجھوڑا۔'اَپ مین اَپ'، وہ بولا دی شو مسٹ گو آن۔'' (ایمان۔ اپ مین اپ، ص ۱۷۴/۱۷۵)

''میں نے بھر پور زندگی گزاری تھی۔ پٹاخے پھوڑے، پھلجھڑیاں چلائیں، ہولیاں کھیلیں، رنگ پچکاریاں چلائیں، ابیر گھلال کے تھال بھرے۔'' (عینی اور عفریت، ص ۸۵)

کرداروں کے نام

اس افسانوی مجموعے کے زیادہ تر افسانوں کا موضوع اسلام آباد کے نوجوان امراء ہیں لیکن ان کے نام اسلام آباد کے مکینوں کے نام نہیں بلکہ یہ نئے نام ہیں جو یا تو مفتی نے خود بنائے ہیں یا مشرقی ناموں کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔ یا پھر یہ مغربی نام ہیں۔اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ مغرب سے بہت متاثر ہے اس لیے یا تو وہ خود یا ان کا کوئی دوست وغیرہ ان کا نام بگاڑ کر یا بدل کر ایسا نام رکھتے ہیں جو مغربی لگیں یا کم از کم فرسودہ نہ لگے۔مفتی اس حقیقت کو جانتے تھے اس

لیے انھوں نے بھی اپنے کرداروں کے نام ایسے ہی رکھے ہیں مثلاً گلابی، سانوری، سانورد، آمن، آنا، آویزہ، ریٹا، صبیح، اسمی، صفی، ایمی، صاؤ، ماریانہ، ڈالی، اشا، سنہرے، امنا، چمکی، بینی۔مفتی نے اس طرح کے نام زیادہ تر عورتوں کے لیے استعمال کیے ہیں غالباً ان کے خیال میں عورتوں کے نام زیادہ بگڑے ہوتے ہیں کیوں کہ عورتیں زیادہ مغرب پسند اور احساسِ کمتری کا شکار ہوتی ہیں یا انھیں خوش کرنے کے لیے مرد ان کے نام بگاڑ کر اس طرح بنا دیتے ہیں۔

انگریزی الفاظ

اس کتاب میں دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کرنے کا رجحان بہت زیادہ ہے اور دوسری زبانوں میں سب سے زیادہ انگریزی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کیوں کہ زیادہ تر افسانوں کے کردار (اسلام آباد) کے پڑھے لکھے اور نو دولتیے نوجوان ہیں جو اردو میں انگریزی کی آمیزش کر کے بولتے ہیں۔اس لیے مفتی نے کردار نگاری کے لیے ایسی زبان لکھی ہے جیسی اس طرح کے لوگ عام زندگی میں بولتے ہیں۔مفتی نے انگریزی کے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ابھی بھی اس طبقے میں بولے جاتے ہیں مثلاً سپورٹ، انڈرسٹینڈنگ، سکیم، فیڈ، کانفلکٹ، ول، ہانٹڈ ہاؤس، وانٹڈ، کلچرل ایکٹیوٹیز، مسٹر سوشلسٹ وغیرہ جیسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

پنجابی الفاظ

انگریزی کی طرح پنجابی کے الفاظ کا استعمال بھی بہت زیادہ کیا گیا ہے لیکن یہ انگریزی الفاظ سے کم ہے۔ان کا استعمال بھی کردار نگاری کے لیے کیا گیا ہے لیکن یہ ثانوی کردار ہیں جو امراء کے ملازم یا پھر بڑے بوڑھے ہیں جنھیں اردو پر عبور حاصل نہیں اس لیے وہ اردو میں پنجابی کے الفاظ بولتے ہیں۔یہ ایسے عام الفاظ ہیں جن کے معنی عام آدمی (جو پنجابی نہیں جانتا) وہ بھی سمجھ لیتا ہے جیسے نیڑے، وسنا، ویڑے، لشکنا، لوڑ، لوک، اوتے، پاسا اور جوگی وغیرہ۔ان کے افسانوں میں پنڈی کے گردونواح میں بولی جانے والی پنجابی لب ولہجہ کے الفاظ بھی ملتے ہیں کیوں کہ اکثر گھریلو ملازم قریبی گاؤں سے آتے ہیں اور ان کا موضوع اسلام آباد کے مکین ہیں اس لیے ان کے ملازم جو زبان بولتے ہیں اس پر ان کے اپنے علاقے کی بولی کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے مثلاً ملٹ (منٹ)، ناؤں (نام)، لہجت (لہجہ)، ابی (ابھی)، جرب (ضرب)، سیسہ (شیشہ)، جربے (ذرے)، دے (تب) اور دناں (دن) وغیرہ پنڈی کے گردونواح میں بولی جانے والی مقامی زبان کے الفاظ ہیں۔

ہندی الفاظ

انگریزی اور پنجابی الفاظ کی طرح ہندی الفاظ کا استعمال بھی کردار نگاری کے لیے کیا گیا ہے لیکن ان کا استعمال پنجابی اور انگریزی الفاظ سے کم ہے کیوں کہ ان کے اس طرح کے کردار کم ہیں جو ہندی یا ہندی الفاظ بولتے ہوں۔انھوں نے زیادہ تر ایسے ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہے جو اردو میں مستعمل نہیں ہیں مثلاً پرنتو، نراش، منش، کشٹ، نرت، پدھارنا، پرجا، لیلا اور اوش وغیرہ۔ہندی کے یہ الفاظ نہ صرف کرداروں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ ان کے استعمال سے بیان میں مٹھاس اور شیرینی بھی پیدا ہوئی ہے۔مثلاً سب سمے کی لیلا ہے۔(گرداس۔داس گرو،ص ۱۰۱)

اس سدھ بدھ کو جو وشواس کو نہیں پرنتو شک شبھے کو ابھارتی ہے۔ (گرداس۔داس گرو،ص ۱۰۲)

پرمیشور نے سمرت کے جیو میں پریم جھولنا لگا دیا۔(ایمان۔اپ مین اپ،ص ۱۷۱)

مجموعی طور پر اس افسانوی مجموعے میں مروجہ اور خودساختہ محاورات کے استعمال کا رجحان سب سے زیادہ ہے جو زیادہ تر ماحول کی عکاسی یا کرداروں کی نفسیات، فطرت اور رویوں کی عکاسی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔تاہم ان کے تمام افسانوں میں ان کے استعمال کا رجحان یکساں نہیں بلکہ کچھ افسانوں میں نئے الفاظ و محاورات کا استعمال زیادہ کیا گیا ہے اور کچھ میں کم۔وہ افسانے جن کا موضوع عشق مجازی یا عورت ہے ان میں لفظ سازی اور دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال کم ہے۔وہ افسانے جن میں کسی سماجی یا نفسیاتی مسئلے کی طرف اشارہ ہے ان میں لفظ اور محاورہ سازی کا رجحان نسبتاً زیادہ ہے کیوں کہ ان میں کسی نئے سماجی یا نفسیاتی مسئلے کی تشخیص اور بیان کے لیے نئے لفظوں کا سہارا لینے کی ضرورت پڑی۔اور سب سے زیادہ لفظ اور محاورہ سازی کا رجحان ایسے افسانوں میں ہے جن کا مرکزی خیال اسلامی تعلیمات یا تصوف سے اخذ کیا گیا ہے مثلاً گرداس۔ داس گرو، ایمان اپ مین اپ اور سمے کا بندھن۔وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ ان الفاظ کے ذریعے اپنے ان افسانوں میں مذہبی اور اصلاحی رخ کو چھپانا چاہتے تھے تا کہ قاری ان افسانوں کو غیر اصلاحی ادب سمجھتے ہوئے پڑھے اور اس طرح شعوری اور ارادی کی بجائے لاشعوری اور غیر ارادی طور پر اس کی اصلاح ہو۔

اس کتاب میں دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال بھی کثرت سے کیا گیا ہے۔ان کے الفاظ کا استعمال زیادہ تر کردار نگاری اور ماحول کی بہتر عکاسی کے لیے کیا گیا ہے۔ جہاں تک مفتی کے تخلیق کردہ کرداروں کا تعلق ہے، ایسے کردار جو ماڈرن نو دولتیے اور پڑھے لکھے نوجوان ہیں وہ اردو میں انگریزی الفاظ زیادہ بولتے ہیں، سکھ اور ہندو کردار اردو میں ہندی الفاظ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں اور ان پڑھ اور غریب کردار اردو میں پنجابی الفاظ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ یوں یہ الفاظ بلواسطہ ان کرداروں کی زبان کے ساتھ ساتھ ان کے رجحانات، عادات واطوار اور اس ماحول کے بھی عکاس بن جاتے ہیں، جس ماحول میں یہ کردار پلے بڑھے ہیں۔دوسری زبانوں کے الفاظ کے استعمال کے ذریعے ماحول کی بہتر عکاسی بھی کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایسے افسانے جن میں ہندی متھ، ہندی معاشرہ یا ہندو یا سکھ کرداروں کو موضوع بنایا گیا ہے ان میں ہندی الفاظ کا استعمال زیادہ کیا گیا ہے۔اس مجموعے میں دوسری زبانوں کے الفاظ دو طرح سے استعمال کیے گئے ہیں۔ایک یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو اسی طرح استعمال کیا ہے جیسا کہ وہ اس زبان میں استعمال ہوتے ہیں، زیادہ تر الفاظ اسی طریقے سے استعمال کیے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ اپنایا ہے کہ ان الفاظ میں کوئی صوری یا صوتی تبدیلی کی ہے۔اس طریقے سے برتے گئے زیادہ تر الفاظ اردو زبان میں رچ بس گئے ہیں اور جو الفاظ جوں کے توں استعمال کیے گئے ہیں ان میں پنجابی اور ہندی کے الفاظ تو کسی حد تک اردو کے مزاج سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں لیکن انگریزی الفاظ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

کسی خاص شعبے کی اصطلاحات کو زبان و بیان کا حصہ بنانا دشوار امر ہے لیکن مفتی نے اسے نہایت خوش اسلوبی سے

سر انجام دیا ہے۔ خاص طور پر موسیقی کی اصطلاحات کے ذریعے کرداروں کی روح اور باطن کی عکاسی کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے مفتی نے ایسا کرتے ہوئے ان اصطلاحات کو اتنی چابک دستی سے برتا ہے کہ قاری کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ کسی اور شعبے کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مصنف کا مدعا بھی قاری تک من و عن پہنچ جاتا ہے۔

اس افسانوی مجموعے میں استعمال کیے گئے خود ساختہ الفاظ، محاورات، مرکبات، اصطلاحات اور دوسری زبانوں کے الفاظ تحریر میں اختصار اور جامعیت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ کامل ابلاغ بھی کرتے ہیں اور بیان میں نیا پن، انوکھا پن اور چونکا دینے کا انداز بھی پیدا کرتے ہیں جو ان افسانوں کو دلچسپ اور دلکش بناتا ہے۔

حواشی

(۱) ڈاکٹر اقتدار حسین خان، اردو صرف و نحو، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۷

(۲) ڈاکٹر عطش درّانی، اصولِ تحقیق (مطالعاتی رہنما، پاکستانی زبانیں و ادب)، (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۵۹

(۳) ڈاکٹر گیان چند جین، تحقیق کا فن، بحوالہ ڈاکٹر عطش درانی، اصولِ تحقیق، ایضاً ص ۱۵۷

(۴) ایضاً ص ۱۵۹

(۵) رشید حسن خان، زبان اور قواعد، (لاہور، رہبر بکس، س ن)، ص ۱۱

(۶) وہ خاص معنی بتائے جاتے ہیں جو مصنف نے مراد لیے ہوں۔

(۷) عبدالستار دلوی، اردو میں لسانی تحقیق کی اہمیت، مشمولہ اردو میں اصولِ تحقیق (جلد دوم)، مرتب: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، (اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز، ۱۹۹۵ء)، ص ۶۰

(۸) نجیبہ عارف، ممتاز مفتی کا فکری ارتقا، (لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۱۱ء) ص ۱۲/ ۱۴

(۹) روبینہ رفیق، ممتاز مفتی: احوال و آثار، (بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، سن ن) ص ۳۴۹

(۱۰) مسعود قریشی، ممتاز مفتی پر ایک نظر مشمولہ: مفتی جی، مصنف: ابدال بیلا، (لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۸ء) ص ۸۳۱/ ۸۳۲

(۱۱) روبینہ رفیق، ممتاز مفتی: احوال و آثار، ص ۳۳۷/ ۳۳۹

(۱۲) ایضاً، ص ۶۱

(۱۳) ایضاً ص ۶۷

(۱۴) نجیبہ عارف، ممتاز مفتی کا فکری ارتقا ص ۴۰۷

(۱۵) نذیر احمد، فکشن نگار ممتاز مفتی، (لاہور، دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۶ء) ص ۲۱۱

(۱۶) عبدالکریم خالد، ممتاز مفتی کے افسانوی ادب میں نفسیات نگاری، مقالہ غیر مطبوعہ، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۸

(۱۷) عمران رضا، فرہنگِ محاوراتِ مجموعہ ڈپٹی نذیر احمدمع مقدمہ، (اسلام آباد،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۶ء)،ص ۳۲

(۱۸) مولانا الطاف حسین حالی، مقدمہ شعرو شاعری، (لاہور: عزت پریس، انارکلی، ۱۸۹۲ء)،ص ۱۶۲

(۱۹) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی (مرتب)، کشاف تنقیدی اصطلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)،ص ۱۳

(۲۰) ڈاکٹر محمد یونس اگاسکر، اردو کہاوتیں اوران کے سماجی ولسانی پہلو، (لاہور: دارالشعور،س ن)،ص ۳۰۔۳۱

مآخذ

(۱) احمد، نذیر، فکشن نگار ممتاز مفتی، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۶ء

(۲) اگاسکر، محمد یونس، ڈاکٹر، اردو کہاوتیں اوران کے سماجی ولسانی پہلو، لاہور: دارالشعور،س ن

(۳) حالی، الطاف حسین، مولانا، مقدمہ شعرو شاعری، لاہور: عزت پریس، انارکلی، ۱۸۹۲ء

(۴) خالد، عبدالکریم، ممتاز مفتی کے افسانوی ادب میں نفسیات نگاری، مقالہ غیر مطبوعہ، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء

(۵) خان، اقتدار حسین، ڈاکٹر، اردو صرف ونحو، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۵ء

(۶) خان، رشید حسن، زبان اور قواعد، لاہور: رہبر بکس، س ن

(۷) درّانی، عطش، ڈاکٹر، اصولِ تحقیق (مطالعاتی رہنما، پاکستانی زبانیں و ادب)، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء

(۸) رضا، عمران، فرہنگِ محاوراتِ مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد مع مقدمہ، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۶ء

(۹) رفیق، روبینہ، ممتاز مفتی: احوال و آثار، بہاولپور: اسلامیہ یونیورسٹی، س ن

(۱۰) صدیقی، ابوالاعجاز حفیظ، (مرتب)، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء

(۱۱) عارف، نجیبہ، ممتاز مفتی کا فکری ارتقا، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۱ء

(۱۲) عبدالستار دلوی، اردو میں لسانی تحقیق کی اہمیت، مشمولہ اردو میں اصولِ تحقیق (جلد دوم)، مرتب: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، ۱۹۹۵ء

(۱۲) قریشی، مسعود، ممتاز مفتی پر ایک نظر، مشمولہ مفتی جی، ابدال بیلا، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۸ء